تعارف وتبصرہ

سنّتوں کا تنوّع - ہر سنّتِ نبوی افضل ہے   پروفیسر محمد یٰسین مظہر صدیقی

ناشر: ادارۂ علوم اسلامیہ، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ، صفحات: ۱۹۵، قیمت: ۱۲۵روپے، سنہ اشاعت: درج نہیں

صحابہ کرامؓ اللہ کے رسول ﷺ کے براہ راست فیض یافتہ تھے۔ انھوں نے آپؐ سے مختلف اوقات میں مختلف ارشادات سنے اور آپؐ کو مختلف اعمال کرتے ہوئے دیکھا۔ جس صحابی نے آپ ﷺ کو جس طرح دیکھا اور سنا وہ اُسی پر تاحیات قائم رہا اور اپنے شاگردوں کو بھی اسی کی تعلیم و تلقین کی۔ اس بنیاد پر مختلف فقہی مسالک وجود میں آئے۔ ہر مسلک کی بنیاد رسول اللہ ﷺ سے مروی کسی قول یا فعل پر تھی۔ مگر بدقسمتی سے یہ فقہی اختلاف اپنی حدود سے نکل کر باہم رسہ کشی، حسد، بغض اور افتراق امت کی وجہ بنا، جس کا کوئی جواز نہ تھا۔ امت کے اختلاف وانتشار کو محدود یا ختم کرنے کی ایک تدبیر یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی مختلف سنتوں کو نمایاں کیا جائے۔ زیر نظر کتاب اس ضرورت کو بخوبی پوری کرتی ہے۔ محترم مصنف مدظلہ العالی کتاب کے مقدمے میں لکھتے ہیں:

”رسول اکرمؐ نے کبھی ایک وجہِ سنت پر عمل فرمایا یا ایک جہت حدیث بیان فرمائی اور کبھی دوسری۔ بسا اوقات ان کی کئی کئی وجوہِ جہات ملتی ہیں۔ اور نہ صرف ان رنگارنگ سنتوں پر بنفس نفیس عمل فرمایا، بلکہ ان ہی کی تعلیم صحابۂ کرام کو الگ الگ دی، کسی کو ایک وجہ سنت سکھائی اور کسی کو دوسری، اور کسی اور صحابی کو تیسری، اور بسا اوقات یہ تعداد دس بارہ سے بھی تجاوز کرگئی۔ ہر صحابی نے اپنی سیکھی ہوئی سنت پر عمل کیا اور دوسرے صحابہ کو وہی سکھائی اور دوسرے مسلمانوں اور شاگردوں کو اسی خاص سنت کی تعلیم دی ......روایت ودرایت کے اعتبار سے کس کا کیا پایہ ہے اس کا تعلق فن حدیث وسنت سے ہے اور خالص تکنیکی ہے۔ رسول اکرم ﷺ کی ہر ثابت شدہ حدیث وسنت نہ صرف ہم پلہ، ہم سر ہے بلکہ ہر ایک افضل واصح وصحیح ترین ہے، صرف اس بنا پر کہ وہ سنت نبوی ہے“ (ص-۹)

آگے نماز کی ان متنوع سنتوں کے بارے میں جو فقہی مسالک کے درمیان وجہ نزاع بن گئی ہیں، لکھتے ہیں: ”ان میں تفرقہ بازی زیادہ کی جاتی ہے۔ اپنی پسندیدہ یا مختار

وجہ سنت کو واحد مستقل سنت بتایا جاتا ہے اور دوسرے یا دوسروں کی پسندیدہ یا مختار سنتوں کو ہر طرح سے کم زور، ضعیف، اعتبار سے ساقط، نا قابل عمل حتی کہ غلط بتایا جاتا ہے۔ یہ علمی یا اسلامی اندازِ فکر ہے اور نہ حدیثی تشریح وتعبیر۔ یہ خالص مسلکی جارحیت اور فقہی عصبیت ہے جو مردود ہے'' (ص ۱۰)

ان اقتباسات سے یہ بات بالکل عیاں ہوجاتی ہے کہ مصنف مدظلہ دراصل امت کے درمیان مسلکی خلیج کو پاٹنا چاہتے ہیں۔ انھوں نے کتاب میں تقریباً ان تمام مسائل سے بحث کی ہے جو کسی بھی طرح بین المسالک وجہِ نزاع بنے ہوئے ہیں۔ اس اعتبار سے کتاب بہت اہم اور اسلامیات میں اپنی نوعیت کی منفرد کوشش ہے۔

کتاب کو مقدمہ اور تمہید کے بعد دو حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ پہلے حصّے میں مختلف سنتوں کا تنوع دکھایا گیا، جو روزمرہ کی مختلف عبادات سے متعلق ہیں، جیسے طہارت، نماز۔ نماز کی متنوع سنتوں پر زیادہ زور دیا گیا ہے، اس لیے کہ بقول مصنف محترم ''ان ہی میں تفرقہ بازی زیادہ کی جاتی ہے''۔ (ص ۱۰) ۔ دیگر عبادات میں زکوٰۃ، صدقہ، روزہ، حج، عمرہ اور دوسری متنوع سنتوں کا تذکرہ کیا گیا ہے۔

کتاب کا دوسرا حصہ جو اصولی مباحث پر مشتمل ہے، بہت اہم ہے۔ اس میں مختلف سنتوں کی اصل اور اس کی جہات سے تعرض کیا گیا ہے۔ اسی طرح مستقل و واحد سنت، عادی اور تعبّدی سنتوں کی تقسیم، مختلف و متنوع سنتوں کی تعلیم نبوی، نماز کی نوع بہ نوع سنتوں کی تعلیم، اس کی تاریخی وتوقیتی حیثیت، صحابہ کرامؓ کو سنن کی تعلیم، تابعین سے مجتہدین تک سنن کا بہاؤ اور تسلسل، مراکز سنت، راجح اور مرجوح کا مسئلہ، قولی و فعلی حدیث کا فرق و اطلاق، اقرب الی السنۃ کا تصور و نظریہ، مختلف سنن کی تطبیق کا اصول و اطلاق، سنت کا اجر وثواب اور افضلیت سنت پر بحث کے علاوہ کئی اور اہم موضوعات پر تفصیل سے گفتگو کی گئی ہے۔

ان تمام خوبیوں کے باوجود فاضل مصنف کے تمام نتائجِ بحث سے اتفاق ضروری نہیں ہے۔ چند مثالیں درج ذیل ہیں:

۱- فاضل مصنف نے ایک جگہ لکھا ہے:

''بعض اہل علم بلا سوچے سمجھے یہ اعتراض کرتے ہیں کہ قرآن مجید کی آیات کریمہ کی مانند احادیث نبوی قطعی دلالت نہیں رکھتی ہیں۔ ان کے بارے میں ظن وگمان رہتا ہے کہ قطعی طور پر ثابت ہیں یا نہیں۔ اسی بنا پر ان کو ظنی الدلالۃ کہا جاتا ہے۔ لیکن یہ اعتراض صحیح نہیں۔ بلا شبہ وہ احادیث جن کی صحت پر اتفاق نہیں وہ ظنی الدلالۃ ہیں، لیکن جو مسلّمہ اور ثابت شدہ احادیث ہیں وہ قطعی الدلالۃ ہیں''۔ (۱۸-۱۹)

اس عبارت میں خلط مبحث ہوگیا ہے۔ بحث قطعی الثبوت اور ظنی الثبوت کی چل رہی ہے، لیکن فاضل مصنف نے سبقتِ قلم سے قطعی الدلالۃ اور ظنی الدلالۃ کے الفاظ استعمال کیے ہیں۔

۲- 'نماز کے بعد کے اذکار' کے اس ضمن میں ۷ اقسام کے اذکار درج کیے گئے ہیں۔ اُن میں سے ایک یہ ہے کہ نماز کے بعد گیارہ گیارہ مرتبہ سبحان اللہ، الحمدللہ، اللہ اکبر کہنا چاہیے (ص ۴۷)۔ گیارہ مرتبہ کی روایات کے بارے میں علامہ ابن قیمؒ نے اپنی مشہور کتاب زاد المعاد (۱/ ۲۹۹-۳۰۰) میں تفصیل سے بحث کی ہے۔ ان کی رائے ہے کہ یہ راویوں کا تصرف ہے۔ خاص کر ابو صالح کا جو حضرت ابو ہریرہؓ کے شاگرد ہیں۔ حدیث کے اصل الفاظ یہ ہیں: ''یسبّحون و یحمدون ویکبّرون دبر کل صلاۃ ثلاثا و ثلاثین'' ۔اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر کلمہ ۳۳ بار پڑھا جائے، مگر ابو صالح نے ان الفاظ سے یہ بات سمجھ لی کہ ہر کلمہ گیارہ گیارہ مرتبہ پڑھا جائے، تاکہ کل ملا کر ان کی تعداد ۳۳ ہو جائے۔ صحیح مسلم میں یہ روایت دو طرق سے آئی ہے۔ ایک حضرت قتیبہ کے واسطے سے اور دوسری حضرت عاصم بن نصر التیمی کے واسطے سے۔ اس روایت میں ابو صالح کے شاگرد سمیؔ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے بعض عزیزوں کے سامنے اس حدیث کا تذکرہ کیا تو انھوں نے جواب دیا کہ تجھے وہم ہوگیا ہے۔ اللہ کے رسولؐ نے تو یہ فرمایا ہے کہ ۳۳ مرتبہ سبحان اللہ، ۳۳ مرتبہ الحمدللہ اور ۳۳ مرتبہ اللہ اکبر کے کلمات کہو۔ (صحیح مسلم، کتاب المساجد، باب استحباب الذکر بعد الصلوٰۃ: ۱۳۴۷) علامہ نووی شارح مسلم فرماتے ہیں کہ

امام مسلم نے اس حدیثِ ابو صالح کے بعد دوسرے طرق سے جو حدیثیں نقل کی ہیں ان میں صراحت ہے کہ ہر کلمہ ۳۳ بار پڑھا جائے، اس کے ظاہری معنیٰ یہی ہیں کہ ان کے نزدیک اس حدیث کا مطلب بھی یہی ہے کہ ہر ایک کلمہ ۳۳ بار پڑھا جائے (اس کے بعد) قاضی عیاض کے بارے میں لکھتے ہیں کہ انھوں نے فرمایا کہ یہ تاویل ابو صالح کی تاویل سے اعلیٰ وافضل ہے۔ (شرح النووی ج:۲، جز:۵، ص۹۳/۹۴)۔

۳- فاضل مصنف نے لکھا ہے کہ ''اہل سیر کی ایک بڑی تعداد اور محدثین کی ایک معتبر جماعت کے مطابق آپ ﷺ نے اپنی نبوت کے بعد بھی متعدد ورنہ کم از کم دو حج ضرور ادا فرمائے (ص:۱۰۷) اس بات کے لیے جو حوالے دیے گئے ہیں ان میں سے کسی میں آں حضرت ﷺ کے دو حج کرنے کی صراحت نہیں ہے، جب کہ دیگر روایات میں صراحت کے ساتھ مذکورہ ہے کہ آپؐ نے چار عمرے اور ایک حج ادا فرمایا۔ (ملاحظہ کیجیے، صحیح بخاری، کتاب الحج، ابواب العمرۃ، باب کم اعتمر النبی ﷺ: ۱۷۷۸، ۱۷۷۹، ۱۷۸۰، صحیح مسلم، کتاب الحج، باب بیان عدد عمر النبی ﷺ و زمانہن: ۳۰۳۳، ۳۰۳۴)۔

۴- ایک جگہ مصنف گرامی نے تحریر فرمایا ہے: ''قربانی کا گوشت تقسیم کرنا یا سب کھا لینا بھی سنت ہے (ص۱۱۴)۔ یہ بات محلِ نظر ہے۔ سنت اور جواز میں فرق کیا جانا چاہیے۔ قربانی کرنے والا پورا گوشت اپنے استعمال میں لے آئے تو کوئی حرج نہیں، لیکن اس کو سنت قرار دینا صحیح نہیں۔ سنت اس عمل کو کہا جاتا ہے جس پر اللہ کے رسول ﷺ نے دینی حیثیت سے عمل کیا ہو۔ اس عبارت کے ذیل میں فاضل مصنف نے بخاری/ فتح الباری، کتاب الاطعمۃ کا حوالہ دیا ہے، مگر ان میں پورا گوشت کھانے کا کوئی تذکرہ نہیں ہے۔ امام بخاری نے یہ روایت درج کی ہے ''وان کنا لنرفع الکراع فنأ کلہ بعد خمس وعشرۃ'' (عن عائشۃ، کتاب الأطعمۃ، باب ما کان السلف یدّخرون فی بیوتھم وأسفارھم من الطعام واللحم وغیرہ: ۵۴۲۳) حضرت ابن حجر عسقلانیؒ نے اپنی شرح بخاری میں اس حدیث کی شرح میں جو احادیث درج کی ہیں ان میں بھی صرف کھانے اور زاد راہ کے طور استعمال کرنے کا ذکر ہے، نہ کہ پورا

کھانے کا۔ ’’کنا لانأکل من لحوم بدننا فوق ثلاث، فرخّص لنا النبیؐ فقال: کلوا وتزوّدوا‘‘ (فتح الباری، ۹/۵۵۳۔) ہم تین دن سے زیادہ قربانی کا گوشت نہیں کھاتے تھے، پھر نبیؐ نے ہمیں رخصت دے کر فرمایا: کھاؤ اور زادراہ کے طور پر بھی استعمال کرو۔) ایک روایتِ بخاری میں بھی اس کی صراحت ہے: حضرت جابرؓ فرماتے ہیں، ہم نبی کریمؐ کے عہد میں قربانی کے گوشت کو مدینے تک زادِ راہ کے طور پر استعمال کرتے تھے۔ (حوالہ سابق، بخاری، ۵۴۲۴)۔

۵- فاضل مصنف نے ایک جگہ لکھا ہے: ’’متعدد صحابۂ کرام نے عہد نبوی اور عہد خلافت میں سونے کی انگوٹھی کا استعمال بلا کراہت جاری رکھا‘‘ (ص ۱۱۶) یہاں انھوں نے اس بات کا کوئی حوالہ نہیں دیا ہے، البتہ ایک دوسرے مقام پر لکھتے ہیں: ’’حضرت براء بن عازبؓ خزرجی کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دست مبارک سے سونے کی انگوٹھی پہنائی تھی۔ صحابۂ کرام کے اعتراض اور کراہت طلاء بتانے کے باوجود انھوں نے وہ انگوٹھی تا زندگی ہاتھ سے نہیں اُتاری، ہر سوال کے جواب میں فرماتے تھے کہ اسے کیوں کر اتاروں؟ میرے رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے بطور خاص پہنائی تھی‘‘ (ص ۱۴۲)۔ جہاں تک مردوں کے لیے سونے کے استعمال کا معاملہ ہے اس کی حرمت وممانعت متعدد صحابۂ کرام سے مروی احادیث نبوی سے ثابت ہے۔ ان صحابۂ کرام میں حضرت براء بن عازبؓ بھی ہیں۔ (ملاحظہ کیجیے صحیح بخاری، کتاب اللباس، باب خواتیم الذھب: ۵۸۶۳)۔ رہی حضرت براء بن عازبؓ سے مروی درج بالا روایت تو علامہ ابن حجرؒ نے اس پر مفصل بحث کی ہے اور علامہ حازمی کے حوالے سے لکھا ہے کہ اس کی سند قوی نہیں ہے۔ اور اگر صحیح بھی ہو تو منسوخ ہے۔ (فتح الباری، ۱۰/ ۳۱۷)۔ یہ بات بھی قابل غور ہے کہ حلّت اور حرمت کی دونوں روایتیں حضرت براء بن عازبؓ سے مروی ہیں۔ حلّت کی روایت فعلی ہے اور حرمت کی روایت قولی۔ اور یہ بات معلوم ہے کہ قولی حدیث کو فعلی حدیث پر ترجیح حاصل ہوتی ہے۔ (جس کے مصنف قائل نہیں ہیں۔ ملاحظہ ہو مذکورہ کتاب: ۱۶۱، راجح/ترجیح کا ایک اور اصول حدیث)۔ دوسرا اصول یہ ہے ’اذا اجتمع الحلال والحرام